ایک حدیث

محنت کشوں کی اُجرت

ادا کرنے میں تاخیر سے کام لینا

ابن ماجہؒ نے حضورؐ کا ایک فرمان یوں نقل کیا ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ — مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کر دو۔

یہ چند سطور کا ایک جملہ ہے جس میں معاملات کی ایک وسیع کائنات سمٹی ہوئی ہے اور اگر معاملات کی صفائی یا صلح و آشتی کی کوئی مستحکم بنیاد تلاش کی جائے تو شاید اس سے بہتر اور جامع کلمہ اور کوئی نہ ہوگا۔ دنیا کا کوئی کتنا ہی ہمہ جہت انسان کیوں نہ ہو وہ تنہا اپنے تمام کام نہیں کر سکتا۔ انسان کو سر چھپانے کے لیے مکان کی ضرورت ہے۔ پہننے کے لیے کپڑا درکار ہے۔ شکم پری کے لیے غذا چاہیئے۔ مرض دور کرنے کے دوائیں مطلوب ہیں۔ تعلیم کے لیے کتابوں کی حاجت ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی ان تمام بنیادی ضروریات کو تنہا پورا کر لے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اسے نہ راج مزدور کی ضرورت ہو نہ بڑھئی کی۔ نہ مستری کی نہ لوہار کی۔ نہ نور باف کی نہ خیاط کی۔ نہ کاشتکار کی نہ معالج کی نہ دوا ساز کی۔ نہ معلم کی نہ دوات قلم اور کاغذ کی؟ کیا کوئی بڑے سے بڑا ہنر مند بھی یہ دعوٰی کر سکتا ہے کہ ان تمام فنکاروں کے کام وہ اکیلا پورے کر لے گا؟ ان سارے سوالات کا جواب صرف نفی میں ہے۔

قدرت نے انسانوں میں بے شمار صلاحیتیں تقسیم کر دی ہیں۔ ایک ایک انسان کو اس نے بہت کچھ مرحمت فرمایا ہے۔ لیکن ایک ہی انسان کو سارا کچھ نہیں دے دیا ہے۔ قدرت کی یہ تقسیم استعداد اس لیے ہے کہ ہر انسان کسی کا محتاج الیہ ہو تو کسی کا محتاج بھی ہو۔ کوئی اس کا ضرورت مند ہو اور کسی کا وہ ضرورت مند ہو۔ اس طرح سب باہم تعاون سے کام لیں اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے اہل ثابت ہوں۔ اگر ہر انسان اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ساری ضرورتیں خود ہی پوری کر سکتا تو وہ تو دوسرے جانوروں سے مختلف نہ ہوتا۔ ایک نوع کے اکثر جانور اگرچہ بظاہر یکجا رہتے ہیں لیکن ان کی زندگی اجتماعیت سے زیادہ انفرادیت کی حامل ہوتی ہے۔ کسی درندے، چرندے یا پرندے کو نہ کسی معمار کی ضرورت ہوتی ہے نہ حجام کی، نہ خیاط کی نہ معالج کی، نہ دھوبی کی نہ مہتر کی، نہ باورچی کی اور نہ موچی کی۔ وہ سب کچھ خود ہی ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کی ساری ضروریات خود ہی پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن انسان ان حیوانوں سے مختلف قسم کا دو پایہ حیوان ہے اور اسے ایک ایک کام کے لیے دوسروں کے تعاون کی حاجت محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ یہ سب کچھ اکیلا نہیں کر سکتا۔

دراصل قدرت کا منشا ہی یہ ہے کہ سارے بنی آدم ایک خاندان کے افراد بن کر رہیں اور باہمی تعاون سے اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اسی مقصد کے لیے انسانی اجتماع کو عدل، رواداری، فراخدلی، عالی ظرفی اور قانونی احترام وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان ہی چیزوں کا شمار اخلاقی اقدار میں ہے۔ اور سچ پوچھئے تو انسان اور دوسرے حیوانوں میں سب سے بڑا فرق اخلاقی اقدار ہی کا ہے۔ ضروریات زندگی کی تکمیل تو حیوان بھی کر لیتے ہیں۔ پھر اگر انسان بھی یہی مقصد ذرا زیادہ سلیقے سے کرے تو محض اتنی سی بات اسے اشرف المخلوقات بنانے کے لیے کافی نہیں۔ انسان کا طرۂ امتیاز صرف حوائج زندگی کی سلیقہ مندانہ تکمیل نہیں بلکہ اس کی اخلاقی قدریں ہیں جن کی ضرورت اجتماعی زندگی میں قدم قدم پر ہوتی ہے۔

صلح وامن اور سلامتی کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف اخلاقی اقدار ہیں اور فساد و ناہمواری صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان عدل و مساوات اور اخوت انسانی کی اعلیٰ قدروں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور طاقت و دولت کے نشے میں سرمست بلکہ خرمست ہو جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اتنا بلند ہوں کہ سب میرے محتاج ہیں اور میں کسی کا محتاج نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دولت و مال ہے اس لیے میرے سامنے سب مجبور ہیں۔ میں کسی کا حق مار لوں تو میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ایک مہتر جس طرح میرے چند ٹکوں کا محتاج ہے اسی طرح میں بھی اس کی صفائی کا محتاج ہوں۔ ایک مہتر پیسوں کے بغیر تو کچھ دن گزار بھی لے گا لیکن مہتر کے بغیر وہ چند دن بھی نہیں نکال سکتا۔ ناک میں دم ہو جائے گا۔

لیکن جب دولت کا نشہ یا طاقت کا گھمنڈ سر پر سوار ہو جائے تو اس کی نگاہ ایک ہی پہلو پر پڑتی ہے۔ اسے دوسروں کی مجبوری تو دکھائی دیتی ہے لیکن اپنی بے بسی پر نظر نہیں جاتی ہے۔ اس لیے اپنی ہر ناانصافی، بے عدلی کو اور ہر ظلم و جبر کو حق بجانب اور باز پرس سے بالاتر سمجھنے لگتا ہے اور یہیں سے فساد فی الارض کی بنیادیں استوار ہونے لگتی ہیں۔ اگر وہ بڑا زمیندار ہے تو اپنے کاشتکاروں کی محنت کا ثمرہ مفت حاصل کر کے عیش اڑاتا ہے۔ ان سے مفت بیگار لیتا ہے۔ انہیں ان کی محنت کا بہت قلیل معاوضہ دیتا ہے اور وہ بھی احسان جتا کر۔ ان کی آبرو اور ناموس کو برباد کرتا رہتا ہے اور ان کی خودی کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ ان سے غلاموں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کرتا ہے اور اپنی ظالمانہ پنجۂ آہنی کی گرفت سے انہیں باہر نہیں نکلنے دیتا ——— اگر وہ کارخانے دار ہوتا ہے تو ان سے دن بھر محنت و مشقت کراتا ہے جن سے ان کا خون پسینہ ایک ہو جاتا ہے اور ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے خود دادِ عیش دیتا ہے۔ بلیک مارکیٹنگ کرتا ہے۔ سمگلنگ کرتا ہے۔ احتکار کر کے مخلوق خدا کو بھوکا ننگا کر دیتا ہے اور جن کی محنت سے وہ یہ سب کچھ کرتا ہے انہیں بس اتنا ہی معاوضہ دیتا ہے کہ وہ نہ مر سکیں نہ زندہ رہ سکیں۔ لایموت فیھا ولا یحییٰ۔

اگر یہ فریب خوردہ جبابرہ کسی محنت کش سے مفت کام نہ لے سکیں اور انہیں اجرت دینی ہی پڑے تو کم

سے کم اُجرت دیتے ہیں اور اپنا محتاج رکھنے کے لیے پوری مزدوری نہیں دیتے اور اگر دینا ہی ہو تو وقت پر نہیں دیتے ترساتر ساکر اور جھکا جھکا کر دیتے ہیں۔ بے چارے محنت کش کو آج ضرورت ہوتی ہے، وہ آج ہی اپنے لیے یا اپنے بال بچوں کے لیے روٹی یا کپڑا لینا چاہتا ہے مگر وہ سرکش اس غریب پر کوئی ترس نہیں کھاتا اور اسے ٹال دیتا ہے۔ ایک دن نہیں کئی کئی دن، کئی کئی ہفتے اور کئی کئی مہینے اور بعض اوقات برسوں دوڑاتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے۔ تجوری تو بھری ہوتی ہے لیکن یا تو اس لیے اسے پریشان کرتا ہے کہ وہ عاجز آکر تقاضا ہی چھوڑ دے یا اس لیے کہ اس غریب کی محتاجی باقی رہے یا اس لیے کہ اسے ستانے ہی میں مزا آتا ہے اور یہ سب کچھ وہ اس مفروضے پر کرتا ہے کہ یہ ہمارا کیا بگاڑ لے گا؟

یہیں سے فساد کی جڑ شروع ہو جاتی ہے۔ غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ باہمی نفرت کی خلیج وسیع ہونے لگتی ہے اور یہ لاوا اس طرح پھوٹتا ہے کہ کہیں اسٹرائک ہوتی ہے اور کہیں ہڑتال۔ کہیں مار پیٹ ہوتی ہے اور کہیں قتل کی واردات اور بالآخر ایک دن ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے (انہ لا یفلح الظلمون۔ سرمائے دار اور مزدور میں، جاگیردار اور کاشتکار میں، دولت مند اور غریب میں جتنے ٹکراؤ اور جتنے تصادم بھی آج تک ہوئے ہیں ان کی تہ میں صرف ایک ہی حقیقت کارفرما نظر آئے گی وہ ہے بے عدلی، خود غرضی، مفاد پرستی اور جبر و ظلم پر اڑے رہنا۔ دوسروں کو مجبور سمجھ کر استحصال کرنا اور خود کو گرفت سے بالاتر سمجھنا۔ اس سے اجتماعی زندگی میں جس طرح کے فسادات ہوتے ہیں ان سے انسانی تاریخ کا ہر ورق سیاہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی یہ تھی کہ ہر طبقے کے کمزوروں اور بے بسوں کو سہارا دیا جائے اور جابروں ظالموں کا ہاتھ پکڑ لیا جائے۔ کچھ انہیں اونچا کیا جائے اور کچھ انہیں نیچے لایا جائے اور اس طرح تمام انسانوں کو ممکن حد تک ایک مساوی سی سطح پر لایا جائے۔ اجتماعی زندگی کی تمام خوشگواریاں اسی برادرانہ مساوات اور انسانی اخوت سے قائم رہ سکتی ہیں اور اس کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ محنت کشوں کو دیانت و وفا کی تعلیم دے کر انہیں کام چوری اور غفلت سے روکا جائے اور محنت لینے والوں کو عدل کی تعلیم دے کر محنت کشوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کا عادی بنایا جائے۔ اسی اصول کی کڑی ہے یہ زیر بحث حدیث کہ مزدوروں کو ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی ان کی مزدوری ادا کر دو (اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ)۔ (محمد جعفر)

طابع فاشی:۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مطبوعہ:۔ حمایت اسلام پریس لاہور مقام اشاعت:۔ کلب روڈ۔ لاہور